فکرِ عُبیداللّٰہی
اسلامی انقلابی حکومت کی اساس

سردار محمد امین خان کھوسو نے یہ مقالہ "عوامی فکری محاذ، لاہور" کے زیرِ انتظام منائے جانے

والے "یوم مولانا عبیداللہ سندھی"

کے موقع پر بتاریخ ۲۴ اگست ۱۹۶۹ء لیبر ہال میں پڑھا تھا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میرے نزدیک پاکستان کے اہم شہر لاہور میں مولانا عبیداللہ انور، حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب کے فرزند اور جانشین خود حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے تربیت یافتہ شاگرد کے زیر صدارت آج کے حالات میں، جب کہ بیت المقدس پر آگ کے شعلے برسائے گئے ہیں "یوم حضرت مولانا عبیداللہ سندھی" کا انعقاد ایک تاریخی اور اہم واقعہ ہے۔ پاکستان میں اسلام کی تو نہیں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ مسلمانانِ پاکستان نہ صرف خود میدانِ جہاد میں نکل آئیں بلکہ حکومت کو بھی اس حد تک مجبور کر دیں کہ وہ پورے عالمِ اسلام کو اکٹھا کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اسلامی اتحاد اگر آج بھی نہ ہو سکا تو پھر شاید اس کا موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ مسجد اقصیٰ پر جو آگ برسائی گئی ہے اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اسرائیل کو اکھاڑ کر اس جہاں میں جہنم رسید کر دیا جائے۔ وقت آگیا ہے کہ مسلمان حکومتیں اور کل مسلمانانِ عالم اور ایک بار پھر جغرافیائی حدود توڑ کر حفاظتِ اسلام کے لیے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ایک عوامی تحریک اسی مقصد کے لیے پورے ملک میں بلا دریغ شروع کی جائے غیر اسلامی طاقتوں کو اس کا احساس ہو چلا ہے کہ مسلمان اکٹھے نہیں ہو سکتے، اس لیے ان سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں ان کا یہ چیلنج قبول کر لینا چاہیے اور دکھا دینا چاہیے کہ جہاں اسلام کی بقا کا سوال ہے ہم سب اختلافات کو بھلا سکتے ہیں اور ہم میں کوئی ادنیٰ تیج باقی

نہیں رہ سکتی ہیں جنرل یحییٰ خاں صدر مملکت پاکستان کو اپنے اس عزم سے آگاہ کرنا چاہیے۔

اب میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی جسارت نہ کرتا کہ کسی ٹھوس عملی کام کے سرانجام دینے سے پہلے حضرت مولانا کے متعلق کسی مجمع میں بولنے پر آمادہ ہوتا لیکن حضرت مولانا کی روحانی تائید درایں بارہ محسوس کرتا ہوں اس لیے آپ کے سامنے حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مقدس ہے:

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں"۔

امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی بلاشبہ ایسے ہی عالم ربّانی ہیں ان کی زندگی کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو شروع سے لے کر اخیر تک وہ غلبۂ اسلام اور جہاد کی تعلیم و تربیت دیتے ہوئے اس جہاں سے رخصت ہوئے۔ ان کی تعلیمات کی روح تک پہنچنے کے لیے ان کی زندگی کے واقعات سے واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ سیالکوٹ کے سکھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے، والد پہلے مر چکے تھے، اس طرح وہ اپنی ماں اور بہنوں کے واحد سہارا تھے۔ اس قسم کی خاندانی محبت اور رشتے کو توڑ کر وہ داخل اسلام ہوئے۔ ان کے وجود کا یہ داخلی انقلاب کوئی معمولی واقعہ نہیں کہ اسے سرسری طور سے دیکھا جائے۔ کفر سے رشتہ کاٹ کر اسلام تک وہ خود پہنچے اور پھر مزید تعلیمات حاصل کرنے کی غرض سے سندھ کی طرف روانہ ہو گئے اور سیدھے جنید وقت سیدی و مرشدی حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف متصل ڈہرکی اسٹیشن ضلع سکھر کی خدمت میں پہنچ گئے اور ان سے قادری طریقے پر بیعت ہوئے اپنے مرشد سے ان کو جو لگاؤ تھا، اس کا بیان الفاظ کے دائرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ ان کی روحانی زندگی انقلابی کی زندگی تھی اس میں مصائب و تکالیف کا آنا بالکل ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن جس قسم کی تکلیفیں انھوں نے دیکھیں وہ شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہوں لیکن ان سب حالات میں وہ شاکر و صابر رہے یہ مرتبہ انھوں نے اپنے پیر و مرشد سے حاصل کیا۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبیداللہ نے اللہ کی خاطر اپنے ماں باپ چھوڑے

پورے دیکھے معاملہ فہم انقلابی اور فوجی جرنیل کی طرح مولانا موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ یہ سب کو علم ہے کہ حبیب اللہ خان جلال آباد میں شہید کر دیئے گئے اور سپہ سالار نادر خان اور ان کے بھائی پابجولاں کابل پہنچا دیئے گئے اور کابل کے تخت پر امیر حبیب اللہ خان کے چھوٹے بیٹے امیر امان اللہ خان فائز ہوئے۔ تھوڑے عرصے کے بعد امان اللہ خان کی طرف سے ہندوستان پر افغانستان نے حملہ کیا گیا حملہ آور افواج کے سپہ سالار اعظم غازی محمد نادر شاہ تھے۔ حضرت مولانا سندھی نے حملہ آور فوج کو ہر قسم کی امداد دینے کا حکم ہندوستانی ہندو مسلم کو اپنے ایک اعلان کے ذریعے دیا۔ یہ اعلان انھوں نے حکومتِ موقتہ ہند کوزیر داخلہ کی حیثیت میں دیا تھا۔ اور یہ اعلان تاریخ آزادیٔ ہند کی اہم دستاویز ہے جس کے نتیجہ میں افغانستان مکمل آزاد ہوا۔ اور ہندوستان کی آزادی کی بات بین الاقوامی سطح پر ایک حقیقت بن کر رہی۔ کابل ہی میں حضرت مولانا نے انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ کی بنیاد بھی رکھی اور کابل ہی سے حکومت موقتہ ہند کا اعلان کیا اور حضرت مولانا اس کے وزیر داخلہ بنے۔

انگریز اب مولانا کی کابل میں موجودگی سے بالکل خائف ہو گئے انھیں یقین ہو گیا کہ یہ اولوالعزم انقلابی اگر کابل میں زیادہ دیر ٹھہرا تو عملاً ہندوستان میں بغاوت ہو جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے اب ہز میجسٹی امان اللہ خان پر دباؤ ڈالا کہ یا وہ مولانا کو انگریزوں کے حوالے کر دیں یا اگر وہ کابل میں رہتے ہیں تو انھیں سیاسی نظر بندی میں رکھا جائے مولانا نے امیر امان اللہ خان سے کہا کہ آپ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہیں اور نہ کریں ہم خود افغانستان سے چلے جائیں گے۔ چنانچہ یہ محسنِ افغانستان عالم دین جس کی ہمت اور معاملہ فہمی کی وجہ سے بغیر کسی قربانی کے افغانستان کو آزادی و خود مختاری ملی تھی وہ اپنے مختصر ساتھیوں کے ٹولے کے ساتھ کابل کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گیا۔

لیکن دنیا نے یہ بھی دیکھ لیا کہ امان اللہ خان بھی اس کے بعد تختِ شاہی پر نہ رہ سکے اور افغانستان کی بادشاہی اس مرد غازی کے ہاتھ آئی جس کا خاندان حضرت مولانا کا معتقد تھا یعنی امیر شہید محمد نادر شاہ بادشاہ ہوئے۔ اور آج کل کابل کے تخت پر امیر شہید کا فرزند ظاہر شاہ موجود ہے اور اگر وہ دعویٰ کریں کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ان کا ہے تو اس میں وہ حق بجانب ہوں گے اور اگر ہم کہیں کہ وہ ہمارے ہیں تو اس میں ہم بھی حق بجانب ہوں گے اور اگر اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو افغانستان اور پاکستان کے درمیان بہت سی غلط فہمیاں دور کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ جتلائے کون؟ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

اب ہم اللہ کی خاطر اس کے ماں باپ ہیں۔ مرشد سے محبت کی وجہ سے وہ سندھی کہلائے۔

بھرچونڈی شریف سے وہ دیوبند گئے، جہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جیسے استاد سے ان کا پالا پڑا، یہ بھی ہمارے پیرومرشد اور آقا حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت ان کو نصیب ہوا۔ حضرت نے دعا مانگی کہ ان کا پالا کسی راسخ استاد سے پڑے۔ شیخ الہند کا خطاب بھی حضرت محمود حسن کو اس کے بعد ملا جب کہ انھوں نے بھرچونڈی شریف کے اس فقیر کو سبق دیا۔ حضرت مولانا نے حیدرآباد میں ایک تقریر میں (جوان کی آخری تقریر تھی) فرمایا کہ "میں اپنے آپ کو بھرچونڈی شریف کا ایک فقیر سمجھتا ہوں"۔ جس مرد حق پرست نے خود اپنے وجود پر سے کفر کا جو قبضہ تھا۔ بظاہر اپنے استاد کا شاگرد، لیکن سیاست میں اور کفر کی دشمنی میں آنا پکا اور راسخ کہ وہ اپنے استاد کا بھی اس معاملے میں استاد بنا[1]۔ ہندوستان سے انگریز حکومت ختم کرنے پر یہ انقلابی جم گیا۔

رولٹ کمیٹی کے انگریز لکھنے والوں نے اس کی خوب وضاحت کی ہے کہ دیوبند کے مدرسے کو ایک سکھ نو مسلمان نے تحریک آزادی وانقلاب کا اپنے استاد کو پکا کر مرکز بنا لیا۔ پورے ہندوستان میں انگریز کو زیر و زبر کرنے کے لیے مکمل بغاوت کیسے لی جائے، اس کا مکمل نقشہ تیار کیا۔ اس کے بعد معاونین و مددگار پیدا کرنے کے سلسلے میں سندھ، دہلی، علی گڑھ وغیرہ مقامات پر وہ جاتے رہے، فتح پوری میں جب وہ قرآن پڑھاتے تھے تو اس کے ساتھ ساتھ وہ جہاد کے عملی پہلوؤں پر بھی وضاحت سے گفتگو کرتے تھے۔ انگریز حاکموں کے پاس ان کی تقریروں کا باقاعدہ ریکارڈ جمع ہوتا گیا۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ اگر مولانا کو جلد گرفتار نہ کر لیا گیا تو پورے ہندوستان میں یہ بغاوت کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیفیت جب یہ تھی تو حضرت شیخ الہند نے انھیں کابل ہجرت کر کے جانے کو کہا، بھرچونڈی شریف اور امروٹ شریف سے ہوتے ہوئے بلوچستان کے ذریعے مولانا کابل پہنچ گئے کابل کے حالات کا انھوں نے پورا جائزہ لیا۔ امیر حبیب اللہ خان حاکم کابل انگریزوں کا دوست تھا، ایک

---

[1] رولٹ کمیٹی کی رپورٹ اور ریشمی رومال سازش کیس میں واقعی یہی درج ہے کہ دیوبند کی جامد فضا میں حرکت پیدا کرنے والی اور انقلاب کی روح پھونکنے والی شخصیت مولانا عبید اللہ سندھی کی تھی لیکن مولانا سندھی مرحوم نے اپنے اندر انقلابی خیالات کی تولید اور سیاسی تربیت کا سہرا اپنے عظیم استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے سر باندھا ہے (ابن غنی)

کا نام اس طرح کون لے ؟

اس سلسلے میں ایک بات جملہ معترضہ کی صورت میں کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح افغانستان کے تخت پر حضرت مولانا کے معتقدین تخت نشین ہیں بعینہٖ اسی طرح ہندوستان میں بھی جہانگیر و عالمگیر کے بعد سب سے اوّلین مسلمان حکمران، نوعیت اس حکمرانی کی جو کچھ بھی ہو، مولانا کا معتقد ڈاکٹر ذاکر حسین خان بنا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی عقیدت حضرت مولانا سے کے ساتھ بالکل واضح اور عیاں رہی۔ کئی مہینوں تک انھوں نے مولانا کو مہمان رکھا اور ان کی ذاتی خدمت گزاری کی۔ اللہ ان کی روح کو ابدی آرام نصیب کرے۔

ماسکو کے قیام کے دوران حکومت موقتہ ہند کے ہوم منسٹر کی حیثیت سے مولانا نے روسی گورنمنٹ کے وزیر خارجہ چچرن سے ملاقات کی۔ اس طرح ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی امداد اور معاونت اس وقت کی روسی گورنمنٹ سے انھوں نے حاصل کرلی۔ مولانا کے اسلامی طور و طریقے، نماز روزہ، وغیرہ پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ حکومت کے بڑے حکام سے مولانا اسلام کے متعلق بھی آزادانہ طور پر باتیں کرتے رہے۔ اس وقت کسی پُر آشوب تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا اگر وہاں نہ ہوتے تو شاید روسی گورنمنٹ کے تعلقات ترکستان، ایران اور افغانستان کے ساتھ زیادہ خراب ہو جاتے۔

یہ حضرت مولانا کا ذاتی اثر و رسوخ تھا جس نے حالات کو خراب ہونے سے بچالیا۔ مولانا کی زندگی کے ان گوشوں پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔

ماسکو سے مولانا ترکی پہنچے اور وہاں بیٹھ کر انھوں نے ایک پروگرام بنایا کہ ہندوستان میں کس طرح انگریزی حکومت کو ختم کیا جائے۔ اپنا پروگرام اس کے متعلق اور آئندہ آزاد حکومت کا قیام کن اصولوں پر شائع کیا اس پروگرام میں انھوں نے مسلم اکثریت والے ٹکڑوں میں علاحدہ اور ہندو اکثریت والے صوبوں میں علاحدہ حکومت بنانے کی تجویز پیش کی لیکن اس طرح کہ ملک کی وحدت بھی قائم رہے نہ معلوم اس قسم کی تجویز پر عمل کرنے کے جو نتائج ہوتے وہ کہاں تک ہمیں موجودہ تکالیف سے بچا سکتے ہیں[1]

---

[1] محمد امین خان کھوسو صاحب نے مجھ سے اپنے اس یقین کا اظہار فرمایا تھا کہ مولانا سندھی کا منصوبہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا بہترین حل تھا۔ اگر مولانا کے منصوبے کو اختیار کر لیا جاتا تو ہندوستان کی وحدت بھی قائم رہتی مسلمانوں کی اجتماعی قوت بھی تین حصوں میں تقسیم ہو کر کمزور نہ ہوتی۔ لسانی اور مذہبی مسئلہ یہ طریق احسن حل ہوتا، تو ملتوں کا جھگڑا پیدا نہ ہوتا

(بقیہ: اگلے صفحہ پر)

بہر نوع یہی مولانا پورے ہندوستان پر غلبۂ اسلام کے داعی تھے۔ اسلام کا یہ غلبہ وہ فکری اور ذہنی تبدیلی کے ذریعے سے لانا چاہتے تھے اور بظاہر حکومت پر اس قسم کی پارٹی کو قابض رکھنا چاہتے تھے۔ جس پارٹی کا فکری نظام ولی اللّٰہی یا دوسرے الفاظ میں عبید اللّٰہی ہو۔ حضرت مولانا نے بار بار دہلی کو مسلمانانِ ہند کا ذہنی مرکز مانا ہے تو ہم جو مولانا کے ماننے والے ہیں وہ اس سے کیوں مایوس ہوں کہ دہلی پر عبید اللّٰہی فکر دوبارہ قابض نہ ہوگا۔

ترکی سے یورپ کے راستے سے مولانا حجاز پہنچے۔ حجاز سے مولانا کی واپسی کے لیے سندھ کی حکومت نے گورنمنٹ ہند کو لکھا اور سندھ کی حکومت کا وزیراعظم اس وقت میرا دوست خان بہادر اللہ بخش شہید تھا اور میں سندھ اسمبلی کا واحد مسلمان کانگریسی مسلمان ممبر تھا۔

جب مولانا نے کراچی کے ساحل پر قدم رکھا تو میرا دوست شہید اللہ بخش وزیراعظم سندھ استقبال کے لیے موجود تھا۔ میں اس سے پہلے ایک سندھی ہفت روزہ آزاد کانگرسی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس پرچے کے ذریعے مولانا کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اصل مولانا کی آمد کی وجہ سندھ کی حکومت تھی جنھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو یقین دہانی کی کہ وہ مولانا کو اپنے ہاں رکھنے میں کوئی اعتراض نہیں رکھتے میری کانگریسی ممبری نے اگر اور کچھ نہیں کیا۔ صرف مولانا ہی کو ہندوستان واپس لانے میں کامیاب ہوئی تو مجھے اس پر فخر ہے۔

نازم بہ کفر تو لیشں کہ ایمان برابر است

مولانا یہاں آنے کے بعد خاموش نہ رہے وہ اپنے مقصد کی بات کہتے رہے وہ انقلابی تھے اور حکومت ساز تھے۔ مولانا کی تعلیمات ایک عالم دین کی تعلیمات ہیں لیکن وہ تعلیمات مسجد کی چار دیواری اور حجرے کے کمرے تک محدود ہونے والی تعلیمات نہیں ہیں۔ مولانا ملک اور قوم کے سب سے بڑے طبقے یعنی کسان اور مزدور کو جگا کر اس کو حکومت چلانے کا حق دار بنانے کے داعی تھے

(بقیہ: صفحہ گزشتہ) ہندوستان میں مسلمانوں کی کس پرسی کی موجودہ حالت نہ ہوتی بلکہ وہ پورے ملک میں ایک نئی قوت کے ساتھ ابھرتے حکمرانی میں شریک ہوتے اور ملک کے کسی سیاسی مسئلے میں ان کی رائے نظر انداز کرکے فیصلہ نہ کیا جا سکتا۔ سندھ، پنجاب اور سرحد کے ہندو اپنے گھروں میں رہتے۔ سکھ مسئلہ اور کشمیر، حیدرآباد وغیرہ کے مسائل بھی ہرگز نہ پیدا ہوتے، اس لیے مولانا سندھی کے پروگرام میں ملک کے چھوٹی سے چھوٹی اقلیت اور ہر طبقۂ قوم کے اطمینان کا سامان موجود تھا۔ (ا۔ س۔ ش)

لیکن یہ سیاست قطعاً دینی اور اسلامی قسم کی سیاست ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم فکرِ عبیداللّٰہی کا سہارا لے کر اس ملک میں ایسی حکومت کا ڈھانچہ تیار کریں۔ جو عدل و مساواتِ اسلام کا عملی نمونہ ہو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں اس وقت کسی حکومت سے تصادم پیدا کرنے کی تعلیم پھیلا رہا ہوں۔ میرا یہ ارادہ قطعاً نہیں ہے۔ فکری طور پر بھی میں کسی حکومت سے تصادم کو ضروری نہیں سمجھتا لیکن اپنی جگہ عبیداللّٰہی فکر کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں۔ یہ فکر ذہنی لنگڑے لولوں کا فکر نہیں ہو سکتا۔

ہمیں آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لینا پڑے گا اور حالات کی روشنی میں عملی اقدام کی راہیں بھی طے کرنی ہوں گی۔ پوری انسانیت کی فلاح اور بھلائی اسلام کے ذریعے ممکن ہے یہ ہے عبیداللّٰہی فکر کا نچوڑ اور ماحصل۔ جو فکر عالمگیر وسعتیں رکھتا ہو کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ کم از کم اسے اپنے ملک میں رائج کریں۔

مولانا عبیداللّٰہ سندھی کی مجھ غریب پر جو عنایت تھی اس کے ثبوت میں ان کا ایک فقرہ درج کرتا ہوں۔ محمد بن قاسم ولی اللّٰہ تھیالوجیکل کالج کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے مولانا میرے کام کی تعریف میں فرماتے ہیں:۔

"ہمارا پارٹی نظام سندھ اسمبلی میں نمودار ہوگا۔ ہمارا کام بڑھ رہا ہے مگر بہت آہستہ آہستہ"

حضرت مولانا کی آمد سے پہلے میری جو کیفیت تھی وہ باقی نہ رہ سکی۔ حق و صداقت کے اس پیغامبر کے دیکھنے کے بعد میری صنم پرستیاں قائم نہ رہ سکیں۔

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من
کوتاہ کرد قصۂ زہدِ دراز من

حضرت مولانا خود روزانہ یا ایک روز چھوڑ کر دوسرے دن کھڈہ شریف کراچی سے میرے ہوٹل میں رونق افروز ہوتے تھے۔ انہی ایام میں ایک دفعہ دوپہر کی گرمی میں اکیلے میرے پاس آئے۔ میرے ہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد مجھے شیخ عبدالمجید سندھی پاکستان کے سب سے بڑے زندہ سیاسی لیڈر کے پاس لے گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے نماز کا وقت ہو گیا ہے

وضو کر لینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے بھی وضو کیا اور حضرت مولانا اور شیخ صاحب بھی وضو سے فارغ ہوگئے تو مولانا نے مجھ سے سندھی میں فرمایا توں نماز پڑھاءِ (یعنی تم نماز پڑھاؤ) میں نے متعجب ہوکر پوچھا مان (میں؟) شدت سے ساتھ فرمایا ھاءِ توں (ہاں تم) چنانچہ حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل کے لئے امامت کے لئے آگے کھڑا ہوگیا۔ اپنی عاجزی کے احساس سے میں پوری نماز میں کانپتا رہا۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ مولانا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دعا سے پہلے فرمانے لگے، توں نماز پڑھائي رهيو هئين، اسان الله کان دعا گهري ته توکان، توجهڙن کان اسلام جي خدمت جو ڪم وٺي (تم نماز پڑھا رہے تھے ہم اللہ سے دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ تم سے اور تم جیسوں سے اسلام کی خدمت کا کام لے)۔

اب میں حضرت مولانا کی روح کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان مروں گا کسی سیاسی گروہ، جماعت یا فرد کی تائید کی یا اس سے سیاست سیکھنے کی اب مجھے ضرورت باقی نہیں رہی۔

میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے کسی جلسے کی وجہ سے دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا جامعہ ملیہ میں ہیں۔ میں دیوانہ وار ان کی زیارت کے لیے جامعہ ملیہ پہنچ گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے حضرت مولانا میرے ہوٹل کے کمرے میں پہنچ گئے پورا دن اسی کمرے میں گزارا۔ میری عاجزیاں مولانا کو میرے ہاں کھینچ کر لائی تھیں مجھے اپنی ان عاجزیوں پر ناز و فخر ہے۔

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

دوسرے دن اسی کمرے میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان، اس وقت کے شیخ الجامعہ جو حضرت مولانا کے میزبان تھے رونق افروز ہوئے۔

جب خان بہادر اللہ بخش وزیراعظم سندھ، دہلی مسلم نیشنلسٹ کانفرنس کی صدارت کے لیے جا رہے تھے، جس میں مولوی کفایت اللہ دہلوی، مولوی سعید احمد، خود مولانا عبیداللہ سندھی مولانا حسین احمد مدنی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، آصف علی، ڈاکٹر اشرف اور دوسرے نیشنلسٹ لیڈر شامل تھے تو حضرت مولانا نے دہلی میں اپنے کسی معتقد سے فرمایا کہ اس کانفرنس کی صدارت کے لیے اللہ بخش نہیں آرہا، بلکہ ہمارا آرہا ہے، اس معتقد نے پوچھا، حضرت، ہمارا کون ہے؟ تو ان سے جواب میں فرمایا؟ تم نہیں جانتے کہ سندھ میں ہمارا کون ہے، سندھ میں ہمارا خان ہی تو ہمارا ہے صد ہا ہزار

مرتبہ خود مجھ کو گلے لگا کر فرماتے رہے کہ خان! تو ہمارا خان ہے اپنے دوستوں کی محفل میں فرماتے رہے، "خان میرا ہے اور میں خان کا ہوں" حضرت مولانا مجھ سے ہمیشہ سندھی ہی میں گفتگو فرماتے تھے۔

ایک دفعہ میں کراچی اپنے ہوٹل کے کمرے میں دوپہر کو سونے کے لیے لیٹا تو فوراً حضرت مولانا کا خیال آیا میں ننگے سر پوسٹ آفس کی طرف روانہ ہوگیا اور وہاں سے کچھ رقم بذریعہ ارجنٹ تار مولانا کو لاہور بھیج دی جو اس وقت مولانا احمد علی لاہوری کے ہاں قیام پذیر تھے۔ مولانا ایک ڈیڑھ ماہ بعد جب کراچی تشریف لاتے تو مجھ سے فرمانے لگے کہ میں بازار میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک بیگ پسند آیا، میں نے کہا اس میں کاغذات اور کتابیں رکھ لوں اور میں نے خیال کیا کہ میرے خان ہوتے تو ان سے کہتا۔ اس کے بعد دوپہر کو سو رہا تھا کہ ڈاکیے تے تمہارے بھیجے ہوے پیسے مجھ کو دے دیے۔

حضرت مولانا کسی بیماری کے آخری ایام میں جب وہ کھڈہ شریف میں مقیم تھے۔ مجھ کو اپنی بساط کے مطابق خدمت کا پورا موقع ملا۔ میں وقت ہیمن داس وادھوانی کو جو اس وقت سندھ کا وزیر صحت تھا اور حبیب آباد میں ہمارا خاندانی معالج تھا مولانا کے پاس لے جاتا رہا۔ میں حضرت مولانا سے ادب اور رعب کی وجہ سے کچھ زیادہ کہہ نہیں سکتا تھا۔ میں ان کی طبیعت کے استغناء سے واقف تھا مولانا سے میں جب ملتا تو ایک قسم کی بے چینی کے آثار ان کے چہرے مبارک پر دیکھتا تو میں نے حضرت مولانا دین محمد وفائی کو جو حضرت مولانا کی وفات کے بعد میرے دوست اور مددگار رہنے، دوسرے جاکر کہہ دیا کہ حضرت مولانا کا حضرت مولانا محمد صادق کے اوپر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ میں ہی روپیہ وغیرہ کا انتظام کروں گا۔ جب دوسرے دن میں حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچا تو مجھے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے پہلو میں بٹھا کر مجھے گلے لگا لیا اور فرمانے لگے کہ تم تو میرے پاس ہوتے ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے آقا اور پیر حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے تم فرستادہ ہو میں نے جب حضرت مولانا کو بتایا کہ میرے رشتے کے نانا حاجی کریم بخش خان صاحب جن کے گاؤں میں حضرت مولانا تو دا اور حضرت مولانا تاج محمود امروٹی مسلسل مہینوں ..... آکر ٹھہرا کرتے تھے، تو مولانا یہ سُن کر بے تاب ہوگئے اور مجھے گلے سے لگا کر بوسے دینے لگے۔ سندھی میں فرمانے لگے ..... "توں ..... کریم بخش جی خاندان مر آھیں"۔ (تم میرے بھائی کریم بخش کے خاندان میں سے ہو") پھر میں نے یہ بھی بتایا کہ خود میرے والد حاجی عبدالعزیز خاں (مرحوم) مکہ معظمہ میں ان سے ملے تھے میرے آقا اور پیر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

بھرچونڈی شریف والے سے بھی حضرت مولانا ملے جب کہ وہ اپنے پیر حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کے لیے بھرچونڈی شریف تشریف لے گئے اور ان سے میری سفارش فرمائی تو میرے حضرت نے مسکرا کر فرمایا وہ تو میرے دوست ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کے دوست ہیں اور مجھ کو بے حد پیارے ہیں حضرت پیر عبدالرحمٰن کی دعاؤں سے پاکستان وجود میں آیا اور اب قیامت تک قائم رہے گا۔

وقت وعصر کے ان دونوں محافظین اسلام اور مجددین دین کی رحمتیں مجھ عاجز پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ جیسے حضرت مولانا نے فرمایا تھا کہ میں پیر حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ کی وجہ سے کسی سے مرعوب نہیں ہوتا۔ تو میں کہتا ہوں کہ میں ان دونوں کی بدولت کسی سے مرعوب ہونے والا نہیں۔

حضرت مولانا کے اس قریبی تعلق کا میں نے تفصیلاً اس لیے اظہار کیا ہے کہ ابھی تک یہ واقعات کوئی دائرۂ تحریر میں نہیں لایا۔ گو کہ سندھ میں اکثر حضرات یا دیگر متعلقینِ مولانا اس سے آشنا و آگاہ ہیں۔

مولانا کی یاد میں رہنا عبادت اور ان کی یاد میں مرنا شہادت ہے۔ آپ سب حضرات مجھ ناچیز کی شکرگزاری کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے بندہ نوازی سے کام لے کر مجھے اس دینی و انقلابی جلسہ میں شرکت کا موقع عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب کو جزائے خیر دے اور حضرت مولانا کی صحیح انقلابی دینی سیاسیات کی روشنی میں حکومت بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔